

جیا پھر اُ، چال بڑھا عورت کی طرح بے یقین، مکراہست میں پشیمانی، ملال اور معذرت، آواز میں لجاجت اور آنکھوں میں میری پوری پیچان نہ تھی..... وہ میرے قریب آئی ہم بغلنگی ہوئیں تو مجھے پتہ چلا کہ عفت پسے سانچے میں سے بہت تخفیف کر کے نکالی گئی ہے۔ اس کے چرے پر وہی مکراہست تھی لیکن اندر بیماری نے بہت توڑ پھوڑ پایا تھا۔ جو کام شاب بھائی اپنی خاموشی سے لیتے تھے وہی ہی ایک ڈھال عفت نے اپنی مکراہست کو بنا رکھا۔ وہ لوگوں کو بوجھا چھاڑی اور ناسکبھی کو اسی مکراہست پر روکنے کی عادتی تھی۔

"اے ہے..... آگئے" عفت نے مکراہست مجھے دیکھا۔

بیری کو کوشش رہتی کہ میں عفت کے ساتھ خدھہ بیٹھانی، خوش دلی اور ہنسی مذاق میں بھی ہوئی گفتگو کرتی رہوں۔ پہ تمام باتیں عفت کی فطری، طبعی اور ذاتی استعداد سے نکلتی تھیں اور میری فقط ذرا مادہ تھیں۔ طبعاً میں بڑی محس عورت ہوں۔ مجھ سے نہ ذہانت بھری گفتگو ہوتی ہے نہ پر لطف باتیں میری حصے میں آئی ہیں۔ لیکن بیماری نے عفت کا جو کچھ باقی باندھ چھوڑا تھا اس وجود سے میں اس درج خوفزدہ ہوئی کہ میں نے عفت کی نقاٹی میں بولنے کا وہ انداز اپنالیا جس سے ظاہر تھا کہ کچھ نہیں ہوا اور عفت بالکل تند رست ہے۔

عفت بلڈیوریا کی مریض تھی اور اس کے گردے قریب قریب جواب دے چکے تھے لیکن وہ اپنے ہمیاں کی سکی بیوی تھی۔ وہ توجہ اپنے آپ پر، اپنی بیماری پر، اپنی مشکلات پر نہ رکھنا چاہتی تھی اسی لئے اس نے میرافوس آئے جانے والوں پر بھتیاں کس کر بدلتے دیا۔ ہم دونوں جب گھر پہنچے تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ ذریعہ فٹ اوپنی برآمدے کی کرسی تک پہنچ نہیں سکتی۔ یہاں پھر عفت نے کسی مذاق میں مجھے مشغول کر لیا اور جب وہ میرے سارے کامنی کرے میں پہنچ تو مجھے بھول چکا تھا کہ وہ بیمار ہے۔

یہ ۲۷ء کا واقعہ ہے کہ ۲۷ء کا..... یہ چند ماہ کی داستان ہے کہ ایک صدی کی..... لیکن جتنی دیر عفت میرے پاس رہی۔ میرے لئے بھار کا موسم، میلے کی خوشی، اور بچپن کا زمانہ رہا۔ مجھے اس کی بیماری سے کوئی سرو کارنہ تھا۔ کسی خدمت کی میں اہل نہ تھی۔ شکایت اس کے ہونوں پر کبھی آئی نہیں اس لئے بیماری کا باب ہم دونوں میں بند رہا۔ جب بھی ہم اکٹھی ہوتیں عفت کی طبعی مزاح پسندی کے ساتھ ہلکی چھکلی گفتگو رہتی۔ خنک، لفیانہ، زمانہ کشید گفتگو تب ہمیں ران نہ آتی تھی۔

اندر سے عفت قریب قریب مایوس ہو چکی تھی وہ لندن میں بڑی دیر علاج کروانے کے بعد لوثی تھی اور اسے معلوم تھا کہ بیماری کی جس منزل میں وہ ہے وہاں الیوپیٹھک علاج کے پاس کوئی حل نہ تھا۔ اس لئے وہ کسی مجرزے کی تلاش میں تھی کوئی نو تکا، تعلیمی، وعدہ امیدی..... جو اس کے آخری ایام خوشنگوار ہوادے۔

ای سلسے میں خان صاحب ہمیں باباج نور والے کے ذریعے پر لے گئے..... خان صاحب میں ایک بڑی خوبی ہے۔ وہ صاحب کمال آدمیوں سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ ایسا شخص چاہے جو تی گانٹھتا ہو، چاہے آئی سی الیس ہو، وہ اس کی درگاہ پر جاتے ضرور ہیں۔ باباج نور والے دھرم پورہ میں رہتے تھے۔ ان کا ذریعہ بکریوں، لوگوں،

ان گست چار پائیوں، بستوں، بھینسوں، مرغیوں، مریضوں اور سبز پوش درویشوں کا ملغوبہ تھا۔ یہاں سے سر پکھ جو تو اپلا جاتا تھا پر کوئی تجویز نہ تھی۔ سب آنے جانے والے کھانا کھاتے پر آٹا ناپ توں سے نہ گوندھا جائز یہاں اشفاق صاحب مجھے اور بچوں کو کبھی کبھی لے کر جایا کرتے لیکن عفت کے آنے کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ ہم ذریہ پاک جاتے اور وہاں پرسروں رہتے بابا جی عفت کا علاج بالغذا کرتے..... عفت سارا دن میں دو مرتبہ دل کھاتی اور انار کارس پیتی۔ ان ہی ملاقاتوں کے دوران ایک روز بابا جی نے فرمایا کہ۔ ”جمرات کے روز ہم تم دونوں کو دفعوں کرائیں گے۔ تم دونوں کھری ہو اور تمہارا پاک کرنا ہمارا افرض ہے.....“

میں ”پاک کرانے“ کی اصطلاح سے ناواقف تھی اور جی میں اس لئے خوش تھی کہ یہ بھی ضرور کوئی اعزاز ہو گا اس لئے حاصل کرنا چاہئے لیکن عفت واپسی پر گم سم تھی ”کیوں کیا ہوا ہے.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”کچھ نہیں.....“

”اگر کچھ نہیں تو یہ لمبا منہ کیوں بنایا ہے.....“

”بھنی میں رات کو شاب کو فون کروں گی۔ بابا جی ہماری بیعت چاہتے ہیں۔“

مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ پاک کرنا دراصل بیعت کے مترادف ہے۔ پھر بیعت تو خوشی کی بات تھی۔

”تو ہم بیعت کر لیں گے اس قدر پریشان کیوں ہو.....“

”ہے ناپریشانی.....“

شام عفت نے اسلام آباد فون کیا۔ پھر میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ”شاب صاحب نے منع کر دیا ہے۔ ہم اور تیس ہیں۔ ہم کمال بابا جی کے تمام احکامات مان سکتی ہیں۔ کل کلاں۔ وہ یہی کہہ دیں کہ بنچے ذریے پر جھوڑ جاؤ تو کیا ہم ایسا کر سکتی ہیں۔ اگر وہ کہہ دیں سارا زیور ذریے پاک کی خیراتی تجویز میں ڈال دو تو کیا ہم ایسا کر لیں گی؟“

”تو پھر کیا ہوا؟ بابا جی بست ریزن ایسلین آدمی ہیں۔ اول تو وہ ایسے احکامات دے ہی نہیں سکتے اور بالفرض دیئے بھی تو ہم جو بات لو جیکل ہو گی مان لیں گے باقی کے لئے مذعرت کر لیں گے۔“

”بیعت بیعت ہوتی ہے کوئی نکاح نہ سہ نہیں ہوتا..... جو کچھ جی چاہا مان لیا جو نہ چاہا، شہر سے انکاری ہو گئے۔“

مجھے نہ پاک ہونے سے کوئی سروکار تھا۔ بیعت کرنے کی بنیادی شرائط کا علم تھا۔ بہر کیف جو اہمیت ہم کو حاصل ہونا تھی وہ نہ ہو سکی اور جمرات کے دن ہم ذریہ پاک نہ گئے۔ اس بات کا مدتوں مجھے رنج رہا۔

بہت سالوں بعد جب انتیخابی خان نے شاب بھائی سے بیعت کرنا چاہی اور میں نے بہت اصرار کیا تو

شہاب بھائی بولے ..... ”فی زمانہ بیعت بہت مشکل ہے۔ تعلیم اور ذہانت بہت بڑھ گئی ہے۔ مغربی انداز فکر نے ہم میں خود سوچنے کی صلاحیت بہت زیادہ پیدا کر دی ہے۔ اس لئے بیعت کرنے والا پہنچے میں پھنس جاتا ہے۔ بیعت کی یہ پہلی شرط ہے کہ سالک خیال میں بھی مرشد کی نافرمانی نہ کرے کیونکہ مرشد خیال میں فیض پہنچاتا ہے اور اگر سالک دل میں بھی نافرمانی کا مرکب ہو جائے تو نقصان کا احتمال ہے.....“

اینی خال نے بیعت کا خیال چھوڑ دیا تو ایک مدت کے بعد شاہد خال کی یہوی نسرین شہاب بھائی کے درپے ہو گئی۔ وہ شہاب بھائی کی بیعت کرنا چاہتی تھی۔ گورے چٹے، روایت پند، اللہ کا خوف رکھنے والے شاہد خال ایک ٹریول ایجنٹی کے مالک ہیں۔ اور ان کی یہوی نسرین پرانی مشرقی عورت ہے۔ وہ خوبصورت ہے لیکن آگاہ نہیں کہ خوبصورت ہو کر انسان کیسے محسوس کرتا ہے۔ شادی شدہ ہے لیکن یہاںی عورت جیسی انا نہیں رکھتی۔ شاہد خال سے دل کا تعلق تور کھتی ہے لیکن زبان بند ہے۔ ایسی عورت جو تمام کیفیتوں کو اندر بند رکھنے کی عادی ہو، جب زندگی اس پر بوجھ ڈالتی ہے تو اسے ہادی، رہنماء، مرشد کی بڑی ضرورت ہوتی ہے.....

رات کا وقت تھا۔ میں بیمار تھی۔ کمرے میں فرش پر گدے ہی گدے تھے۔ آڑے ترچھے کسی پر کوئی لیٹا ہوا تھا، کسی پر کوئی کمنی کے بل نہیں دراز تھا۔ شہاب بھائی کمرے میں موجود اکلوتے پینگ پر خال صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ نسرین، شاہد خال اور ان کے تینوں بچے آئے۔ نسرین کا چہرہ ایسا تھا جیسے بن بلائے مہمان کا ہوتا ہے۔ بڑی دیر خاموشی کے بعد وہ بولی ..... ”شہاب صاحب ایک بات ہے.....“

شہاب بھائی نے کمرے میں نظر دڑائی۔ بہت سے ضروری اور غیر ضروری لوگ جمع تھے ”اکیلے میں بات کریں گی؟“

نسرين نے کچھ کن من کن من شاہد خال سے کہا۔ وہ گردن تک سرخ ہو گیا۔ ”کیبات ہے.....؟“

اب نسرین اور شاہد میں زیر لب مکالمہ چلا۔ پتہ نہیں اصرار کیا تھا؟ اور انکار کدھرنے تھا۔ بالآخر شہاب بھائی نے پوچھا۔ ”کیبات ہے؟“

”یہ کہہ رہی ہے تم خود ہی کہہ لوتا۔“ شاہد بولا۔

نسرين کسم سائی اور بولی ..... ”آپ مجھے بیعت کر لیں.....“

شہاب بھائی اتنے چپ ہو گئے کہ کمرہ جو مچھلی بازار کی طرح آوازوں سے گونج رہا تھا کستے میں آگیا پھر انہوں نے بڑی محبت سے کہا ..... ”بیٹھی بیعت تمہارے لئے ٹھیک نہیں..... ہاں آج سے تم مجھے اپنا

باپ سمجھ لے....."

بلی کے بھائوں چھینکا نہ تھا..... بیعت کرتے تو جانے کیا کچھ کرنا پڑتا، ماننا پڑتا اب ایسی بابر کت شخصیت سے تعلق پیدا ہو گیا تو بکتوں کے امر کوٹ میں داخل ہو گئے اور آندہ سے رہنے لگے..... کوئی مشکل مصیبت پڑتی تو شاب بھائی کو پکڑ لیتے ورنہ آزاد کے آزاد۔ کیونکہ شاب بھائی نے انہیں آزاد رکھنے میں ہی ان کی عافیت دیکھی تھی۔

اور یوں تو اختیار انہوں نے ہر اس شخص کو دے رکھا تھا جو ان کے قریب تھا۔ یہی آزادی عفت کو بھی ملی ہوئی تھی۔ وہ بابا جی سے علاج کرانے کے لئے لاہور میں رہتی تھی۔ شاب بھائی نے اس پر کوئی احکامات نہیں لگائے۔ وہ کہاں ٹھہرے گی؟ کیوں ٹھہرے گی، یہ طے نہیں کیا..... بس عفت میرے گھر رہ کر بابا جی سے علاج کرانا چاہتی تھی یہ کافی تھا۔

ایک بار مجھے خیال آیا کہ جملہ شوہروں کی طرح یہ بھی شاب بھائی کی غفلت ہی نہ ہو۔ جو شوہروں کے پونچے سے نہ بندھا ہو اس پر محبت کرنے کا احتمال نہیں ہوتا۔ عفت پر ہیزی کھانا کھاتی تھی۔ دو بہر کو ڈیرے پر دلیے کھاتی، رات کے لئے دلیے ڈیرے سے ہی لے آتی اور یہی کھاپی کر پڑ رہتی۔ کئی میںے وہ یہی خوراک کھاتی رہی اور کبھی شکایت نہ کی۔ لیکن ایک روز میں کڑا ہی گوشت پکارا ہی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے میں آئی۔

"کیا پک رہا ہے؟" عفت بولی۔

"کڑا ہی گوشت....."

"تجھے بھی ہر وہ چیز پکانا ہوتی ہے جو میں نہ کھاسکوں....."

"یہ تو تم ساری مرضی ہے عفت....."

"مرضی....." اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "وہ کیا ہوتی ہے؟" -

"اب یہ تم ساری مرضی ہے تاں کہ شاب بھائی اور ٹاقب سے اتنی دور رہو۔ کڑا ہی پکے اور تم صرف دلیے کھاؤ....."

عفت بڑی بہادر تھی۔ لیکن اس لمحے وہ بہادر نہ رہی۔ کہنے لگی "میں شاب اور ٹاقب کو زین کر رہی ہوں کہ جب میں نہ رہوں تو وہ میری کمی زیادہ محسوس نہ کریں....." یہ سارا گھر انہی آنکھوں کے پیشے گی۔ میں نے دل میں سوچا۔

اب شاب بھائی، ٹاقب، ولایت میں قیام، رشتہ دار، واقعات، ان گنت باتیں زیر بحث آئیں اور عفت نے اپنے گھر کی کھڑکی کے پردے کچھ یوں کھول دیئے کہ میں باہر سے ان اندر والوں کی زندگی دیکھنے لگی۔ کس طرح لندن میں شاب بھائی لامڈی پر کپڑے دھونے جاتے تھے۔ پیسے کم ہوتے تو کتنا

ہر اسٹپ پر دل نکل جاتے۔ ان کے دل میں ثاقب اور عفت کے لئے کیسی بیماری قابل اعتماد محبت تھی۔ وہ اتنے گونے گئے ہونے کے باوجود عفت کو خطوں میں شعر لکھتے تھے.....

اس محبت کا احساس مجھے تباہی ہوا جب اچانک عفت کی طبیعت بت گزگئی۔ اس کی ناک اندر سے پک گئی تھی۔ ہولے ہولے گئے اور ناک سے لوپرینے لگا تھا اور اسکے مٹی رنگے چرے سے ساری خوش طبعی رخصت ہو چکی تھی۔

اس شام شاب بھائی اسلام آباد سے آئے تو ان کے ساتھ ایک بڑا سا سوت کیس تھا۔ جس میں رنگ بر گئی سازی ہیاں، سوت، سویٹر تھے۔ وہ یہ سارے کپڑے اس لئے لائے تھے کہ عفت ان کپڑوں کو پہننا پسند کرتی تھی۔ وہ عفت کو بہلانا چاہتے تھے۔ شام آرہی تھی۔ نئے ارادوں کے ساتھ..... نئے فیصلوں کو لئے..... خدشات کو جنم دیتی..... امیدوں کو ختم کرتی۔

اس شام کے بندورے میں بت کچھ تھا..... شاب بھائی تھے جو چپ چاپ کر سی میں نیچے سے ہوئے بیٹھتے تھے۔ عفت تھی جو بار بار ناک تک رومال لے جاتی تھی..... ذیرے پاک سے خربوزے کے نیجوں کی کھیرپ کر آئی تھی۔ ڈاکٹر اشرف فاضلی اصرار کر رہے تھے کہ اس کھیر کو کھانے سے افاقہ ہو گا۔ عفت میں کچھ بھی کھانے کا دم خمنہ تھا۔ وہ رحم طلب نظر وہیں تھے کبھی کبھی سب کو دیکھتی اور پھر کہتی ..... "اشفاق صاحب آج تو بڑی تکلیف ہے....."

شاب بھائی نیچی کر سی میں چپ بیٹھتے تھے۔ عفت نے رنگدار لکیروں والی سیاہ سویٹر کے اپنا انجر پنجر مجتمع کر کھا تھا۔ بڑا اضطراب تھا..... شام میں..... موسم میں، شاب بھائی کے دل میں..... لیکن نہ شام نے شور مچایا۔ شاب بھائی نے کوئی دھکھاوا اکیا اور دونوں عفت کاہاتھ پکڑ کر میوہ پستال چلے گئے..... شاب بھائی اور میں کبھی کبھی عفت کو سوپ یا کوئی ہلکی ہلکلی چیز دینے ہستال جایا کرتے تھے۔ ایک روز گھر پر بت سے لوگ جمع تھے۔ شاب صاحب کا بھیجا، اس کے بچے..... شریا شاب اور اس کے بچے..... شاب بھائی کے خاندان کے لوگ بر آمدے میں آ جا رہے تھے اور وہ چپ چاپ ان سب کو دیکھ رہے تھے۔ پھر اچانک انہوں نے خان صاحب سے کہا..... "اشفاق یہ عفت کا پروار ہے..... ایسا پروار جس کی خوشیاں وہ نہیں دیکھ سکے گی....." اس وقت ثاقب بھائی تھا وہ کافی کمرے کے اندر گیا اور شاب بھائی کے چہرے پر آنسوؤں نے دھاوا بول دیا..... وہ ایسے رونے لگے جیسے پہلے عشق کی وہ لڑکی روتی ہے جس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے طے ہو چکا ہو..... ان آنسوؤں میں ٹھراوڈ نہیں تھا۔ وہ انہیں پوچھتے تھے پر یہ بھادوں کی بارش کی طرح کھڑکیوں پر گر رہے تھے۔ شاب بھائی کو علم تھا کہ عفت لندن سے لوٹ کر نہیں آئے گی۔

پھر میں نے سوپ کی تھر موس پکڑی اور کار میں بیٹھ گئی۔ شاب بھائی نے جیب سے رومال نکالا اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے..... ہوا چل رہی تھی۔ پتے درختوں کو چھوڑ رہے تھے ایک پتہ

ٹوٹ کر وند سکرین کے دینپر سے آچنا تھا اور رہائی چاہتا تھا۔ مجھ سے ڈیر ڈھ فٹ کے فاصلے پر شاب بھائی بیٹھے رو رہے تھے۔ جب کسی انسان کو میری ہمدردی کی ضرورت ہو تو میرا سارا ہجر فعال ہو جاتا ہے۔ میری انہاں اٹھا کر ڈنے کے مقام کو دیکھتی ہے۔ مجھے ہمدردی کے کریث اتارتے دیر نہیں لگتی کیونکہ اسی رفاقت کے سمارے میرے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ساننا آ جاتا ہے۔ اپنی ذات پر دوسرے کی کمل محنتی..... اور پھر میں اس موقع ناک کو جیسے چاہوں موڑ سکتی ہوں ..... جدھر چاہوں چلا سکتی ہوں۔ لیکن اس وقت مجھے میں اتنی جرات نہ تھی کہ میں پائیں طرف دیکھتی تمام ہمدردی کے جملے میرے اندر سوکھ گئے۔

یوں رونے والے شخص کی محرومی کو میں نہ دیکھ سکتی تھی۔ میری آنکھیں صرف وند سکرین پر گلی تھیں اور میں سوچ رہی تھی اگر ہسپتال پہنچے پہنچتے پہنچتے آزاد ہو گیا تو عفت بھی نہ رہے گی ..... اور اگر ہوا کے باوجود پستہ اپنی جگہ قائم رہا تو عفت بھی ہم میں رہے گی ..... پروار کی خوشی دیکھنے کو باقی رہے گی۔

جب کار ہسپتال پہنچی تو وند سکرین کا پتہ بکلی بوندا باندی سے بھیگ کر بونٹ پر دھرا تھا۔ نہ وہ ہمارے ساتھ تھا نہ اڑ کر کیس گیا تھا..... ایسے ہی عفت ہم سے پھر کر لندن چل گئی۔ تب سے شاب بھائی کے وصال تک نہ وہ کوئی کیس گئی اور نہ ہی اس نے تنا اوس شاب بھائی کا ساتھ دیا! ..... مسکرانے اور ہنسنے والوں کی غالباً یہی ادا ہوتی ہے نہ وہ ساتھ دیتے ہیں اور نہ راہ چھوڑتے ہیں۔ اس کے جانے کے پچھے عرصہ بعد لندن سے شاب بھائی نے خان صاحب کو لکھا.....

4 viners close  
sitting bonne Kent  
England.

۲۳ دسمبر ۱۹۷۴ء

پیارے اشراق اسلام علیکم

ہم یہاں پہنچے تو عفت کو ماکی حالت میں تھی۔ چھٹے روز مجھہ رونما ہونا شروع ہوا اور اس نے آنکھ کھولی۔ اس کے بعد اس نے مجھے اور ٹاپ کو پہچاننا شروع کیا اب اللہ کے فضل سے رفتہ رفتہ واپس آ رہی ہے لیکن ابھی پچھے عرصہ Intensive تھیزی پی لوٹ میں رہے گی۔ پھر تاریل وارڈ میں۔ پھر انشاء اللہ گھر۔ ای سے دعا کرواتے رہیں۔  
یہاں آنے سے پہلے ہمیں اندازہ لٹکنہ تھا کہ وہ کتنی یہاں رہے دس روز میں بارہ مرتبہ اس کا دل رک رک گیا۔ مشینوں کی مدد سے جاری رکھتے تھے۔  
ایک نحیف جان پر اتنی تھی توبہ توبہ۔

تمہارا

قدرت

ہم پر امید ہو گئے محسوس ہونے لگا کہ عفت نجیج جائے گی۔ پھر جولائی میں یہ خط آگیا۔  
جولائی ۲۷.....ع

### پیارے اشفارق

عفت تو چلی گئی۔ اس کے لئے اچھا ہوا ہو یہ تو اللہ جانتا ہے۔ لیکن جب آب زرم سے غسل دے کر ہم نے اسے کفنا یا تو توریر جو جرمنی سے آیا تھا وہ کہنے لگا کہ یہ تو ایسے لگتے ہے جیسے ابھی فسٹ ایری میں داخلہ لینے چلی ہو۔۔۔ اٹھارہ سال پہلے جب میں اسے بیاہ رہا یا تھا اس سے بھی کم عمر، ہشاش بشاش اور پر سکون لگ رہی تھی۔ ٹاقب نے اسے دیکھا، مُر رایا اور میرا تھہ پکڑ کر کہنے لگا "ای کتنے آرام میں ہے" لیکن جب اسے قبر میں اتارا اور مٹی نے اس کے تابوت کو ہماری نظر سے پوشیدہ کر لیا تو ہم دونوں معاً گھاس پر بیٹھ گئے۔ اب ہم آپس میں اس کی کوئی بات نہیں کرتے۔ الگ الگ چکے چکے رو لیتے ہوں گے۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ ہماری زندگی میں اتنا بڑا خلاع پیدا کر جائے گی۔۔۔ میں بے حد ڈانو اڑوں ہوں۔ تخلیہ میں رو کر اندر کی آگ اور بھی بھر ک اٹھتی ہے ٹاقب اور میں نے باہم فصلہ کر لیا ہے کہ اب واپس گمراہیں۔ عفت کا سامان چھپلے ہفتے لیور پول کی بندرا گاہ پر پہنچا ہے ہم اسے وصول کئے بغیر واپس پاکستان بیسچ رہے ہیں  
بانو اور بچوں کو پیار

. تمہارا

قدرت

عفت کے رخصت ہونے کے بعد یک دم خان صاحب کا رویہ شاب بھائی کے ساتھ بدل گیا۔ خان میں ایک بڑی خرابی ہے وہ اپنے پروگرام، اپنے ارادے، اپنی پرائیوریٹ ذاتی زندگی کی دوسرے ذی روح کے ساتھ شیرینیں کرنا چاہتے۔ اگر وہ کسی کی مدد کریں اور بات نکل جائے تو انہیں رنج ہو گا۔ اگر وہ کسی سے پریم کریں اور افشار نے راز ہو تو بھی وہ مجبوب ہو کر رہ جائیں گے۔۔۔ ان کی ذاک میں سے اگر کوئی اور بھی کار سالہ کھول لے یا میں آئیں آئیں ایس کے سائیکلو ٹائل لے بے لفافے یا ایسیستی کا خبار اگر انہیں دوسرے ہاتھ کھلانے ملے تو ان کی طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ خان ساگرہ کی تقریب، مہندی کی سرکم، اچھل کر بختلگیریاں، فتمیں کھا کھا کر وعدے، اوچے اوچے مبارک بادیاں، ہاتھ ہلاہلا کر خدا حافظین دو پڑبیل سیلیاں، واضح طور پر جے ہوئے گھر اور بھر کلی عورتیں ناپسند کرتے ہیں۔۔۔ خان صاحب کو نئے نئے بیٹت، چھپ چھپا کر بست زیادہ سجاوٹ کرنے والی عورتیں، بغیر شکریہ

تحفظ وصول کرنے والے لوگ، زہانت کو چھاپ کر بات کرنے والا شخص، سادہ گیاس، سادہ خوراک، بغیر تصنیع کے بے جایے گھر میں رہنے والے پر کار بائی پسند ہیں..... خان کے ساتھ ایک عرصہ رہنے کے بعد پتھر کاہے افشاٹے راز کی زندگی دراصل ان کے Genes سے آئی ہے۔ جب ان کے آباؤ اجداد پتھر لیے سنگلاخ پہاڑوں میں رہتے ہوں گے اور دوستی ناپائیدار اور دشمنی لازوال ہو گی، تب ماں نے بچوں کو غیرت کا انمول تعویر یا لوگو کے ساتھ دیا ہو گا..... یہی بڑھی ہوئی غیرت جو پھنان کے تحفظ کا کلوٹا نہیں ہے خان کے نبویں بقدر اور فرم موجود ہے۔ وہ سیاست، ٹکڑے، اسلام، تعلیم اور ایسے تمام موضوع جو ان کی ذات کے مرکز کونہ چھوٹیں بڑی آسانی سے زیر بحث لاسکتے ہیں۔ لیکن آپ کو اپنی ذات کا سراغ دے کر وہ زندگی کا سب سے براخطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس طرح اشراق احمد غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ ان کی الماری میں دو چھوٹے چھوٹے پلاسٹک کے ٹرے ہیں اور اسی الماری کے اور تین خانے بھی خال کی تحویل میں ہیں۔ کیمرے، ٹیپ ریکارڈ، بیٹیاں، پرانے سیل، ماٹیکرو فون وغیرہ کے علاوہ ان دو زرد رنگ کی فونوگر افک نریز میں ہیں۔ آئی۔ اے کے پرانے ٹکٹ، ایسے لنز جن سے نہ کچھ دور کا نظر آتا ہے نہ قریب کا، کھٹا گلی سپاریاں، سپرنگ، کامن پنیں، بائی پان، ایسے سکے جو متروک ہو چکے ہیں، پرانی عینک جس کا نمبر لاگو نہیں، ٹکٹ ایک پاٹ، نہ چلنے والے مارکر، فروخت شدہ فوکسی ہسکوڑ اور سائیکلوں کی چاپیاں، ایسے وزٹینگ کارڈ جن کے مالکوں سے ملنے کا انہوں نے کبھی ارادہ کیا ہو گا، مفتی جی کی دی ہوئی ہومیو پتھری کی پڑیاں، انیس خان کے خط، خانہ کعبہ کے گرد سے چنی ہوئی کنکریاں، کسی کا پھولہ اور ومال، مجون کی ڈیاں، چورن کی پھٹکی، فیوز بلب.....

یہاں اس الماری میں ایک کائنات آباد ہے..... گرو سے ڈھکی ہوئی، نظر وہ اچھل، خال کی سیکرٹ لائف کے کئی ورق یہاں موجود ہیں جنہیں شاید کوئی باہر کا شخص تو انہر پر نہیں کر سکتا لیکن خال صاحب ایک ہی نظر میں کبھی گریزوبن ہوتے ہیں کبھی جیصل سیف الملوك پر..... کبھی وہ اسلود یکجہ سکتے ہیں..... اور کبھی شنگھائی۔ ان کی یادوں کی بارات کے یہ شیش کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اسی لئے جب کبھی میں ان کی الماری صاف کرنا چاہتی ہوں وہ بچکی طرح بلک کر کتے ہیں..... ”ساراگھر تمہارے جھاڑن کا منتظر ہے اس کو نے کو اگر رہنے دو تو کوئی قیامت آجائے گی“۔

اپنی ذات کو چھاپ کر رکھنے والے خان صاحب عفت کے جانے کے بعد اپنے اندر کے جذبات زیادہ چھپاتے ہکے۔ اب وہ موقعہ بے موقعہ اسلام آباد جانے لگے۔ کبھی کبھی بہتے میں دوبار بھی اسلام آباد جانے کا اتفاق ہوتا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہہ بیٹھتا کہ آپ شاب بھائی سے ملنے جا رہے ہیں تو پھر افشاٹے راز ہوتے ہی خان کو غصہ آ جاتا۔ ہر سفر کاری مینگ کے سلسلے میں ہوتا چاہے اس کی ٹکٹ وہ پلے سے خریدتے..... بیشودہ شاب بھائی کے گھر ٹھہر تے بھانویں انتظام ہو ٹل میں ہوتا۔

شہاب بھائی بھی خال صاحب کی طرح افشاء راز سے بد کتے تھے۔ ان کی زندگی بھی برسوں گپت عی پڑی آری تھی۔ لیکن عفت کے جانے کے بعد پہنچ نہیں وہ کون سارا تھا جس کی طرف ان کی توجہ ہو ممکن کہ انہوں نے اپنی زندگی، اپنا گھر، اپنا کمرہ، اپنی نمازیں، اپنی بزرگی آہستہ آہستہ سب کچھ لوگوں کے حوالے کرنا شروع کر دیا۔ اب نہ زندگی کو راز رکھنے میں انہیں کوئی دلچسپی تھی نہ اللہ کا بندہ کملانے میں کوئی عار تھا..... ان کے راز عفت کے جاتے ہی بدلتے تھے۔ اب انہوں نے فین، اخبار، پرانی بوتلیں، ٹوٹا فرنچیز، بوسیدہ قالین سب سرعام ڈال دیتے تھے اور ایک کوہ نور، ہیرادل میں چھاپا تھا جس کی ایک جھلک بھی کسی کو دکھائے بغیر وہ حسن خاتمه تک پہنچ گئے۔ خال صاحب کی الماری میں ٹھونساٹھونس ضروری غیر ضروری سامان پڑا رہتا ہے اس لئے کہ یہ کثافت ان کی روح کی لطافت کے لئے ضروری ہے۔ شہاب بھائی کے کمرے کا سامان بے ربط اس لئے دھرا رہ گیا کہ اس کامائک کوئی نہ تھا جو ان کو بار بطر کر سکتا..... اس کو وہ نہ سنوارنے والی تو بست پسلے رخصت ہو چکی تھی اور گھروالی کے بغیر گھر کے سامان کی شہاب بھائی کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔

شہاب بھائی کے کمرے میں دروازے کے آگے ایسا سائیڈ یورڈ تھا جس پر کہاںیں اینٹوں کی طرح لدی تھیں۔ ساتھ ہی وہ صوفہ تھا جس پر بلکہ فیروزی رنگ کا کپڑا چڑھا تھا۔ دو پنگ، ایک الماری، ڈرینگ نیبل، جس کا سفید فارماینک سنک مرمر سے بھی زیادہ ملامت تھا۔ اس کے علاوہ تین چار چھوٹی میزیں، کچھ گاؤں تکنے، کچھ گدیاں، ان گنت کتابیں، جوتیاں، ہیر موجود تھے۔ ڈرینگ نیبل پر سینٹ کی بھری بوتوں کے ساتھ خالی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ اندر بغلی کمرے میں ان گنت سوت کیس، ٹنخ دان، پنج، الماری، اپنی، بیگ موجود تھے..... یہ سامان برسوں ایسے ہی رہا۔ جیسے وہ منظر بد لانا تھا جاہتے تھے۔ عفت جس چاؤ سے فرنچ رائینڈ سے بناؤ کر لائی تھی اس فرنچیز کو یہ کاوس بالاضرورت رہنے دیتا ہے ان کے لئے کافی تھا۔ سوت کیس میں عفت کے کپڑے بوسیدہ اور پرانے ہو رہے تھے لیکن شہاب بھائی میں ہمت نہ تھی کہ ان کو نکال کر بانٹیں یا استعمال میں لائیں۔ اس کے معنی نہیں کہ وہ عفت سے کچھ ایسی دیوانہ وار محبت کرتے تھے کہ اس کا سامان بانٹ کر انہیں وکھو تو مالکہ انہوں نے اندر ایسا سکون حلاش کر لایا تھا جو تبدیلیوں کا تحمل نہیں ہوتا۔ اللہ کی محبت کا جو کوہ نور انہیں اندر مل گیا تھا، اس کا یہ تقاضا تھا کہ باہر کے ماحول میں کم سے کم ہلچل پیدا ہو۔ اسی اکلوتے راز کے تحفظ کے لئے وہ اپنی بہن محمودہ کے پاس رہنے لگے اور حسن خاتمه سے بہت پسلے اپنی ساری الملک کامائک انہوں نے ٹاپ کر دیا۔ خان پرانی بیکار چیزوں سے چھنکا راحا صل نہ کر سکے کیونکہ وہ ابھی ان لمحات میں گرفتار تھے جب یہ اشیاء ان کے ہاتھ آئی تھیں۔ شہاب بھائی کے لئے سب بیکار ہو گیا تھا۔ فرنچیز، کتابیں، قلم، قلمدان، گلدان، تصویریں، جوتے، ہیر، قالین، چیزوں کے چھوٹے چھوٹے بے معنی انبار، شہاب بھائی ان سب

سے گزر گئے تھے جیسے پچہ رُطپین سے نکل کر جوان ہوتا ہے اور پلٹ کر پھر کبھی چھوٹے بیٹے سے کر کت نہیں کھیتا شاب بھائی کے لئے تمام انفرمیشن، ساری اشیاء، ہر قسم کی ملکیت بے معنی ہو کر بیکار پڑی تھیں۔ رکھنا اور پھینک دینا دونوں بے معنی اقدامات تھے۔

اسی کمرے میں ہفتے میں ایک دوبار، مینے میں کئی بار خان صاحب جا کر رہتے۔ شاب بھائی یہ مشی اصرار کرتے کہ تم میرے پاس والے پنگ پر لیٹو۔ خان یہیش سرخ مشنی کارپٹ پر گاؤں تکیہ گدی کے نیچے پھنسا کر ایسے لیٹتے کہ شاب بھائی کا چڑہ ان کے مقابل ہوتا۔

جب کروٹ لے کر کھنی پر سر نکا کر اور ایک نالگ کوتہ کر کے دوسرا نالگ پر رکھ کر خان پاؤں کا تلووا ہاتھ سے بجاتے تو شاب بھائی متوجہ ہو جاتے۔ چاہے رات کے ڈھائی بجے ہوں چاہے فجر کے بعد کا وقت..... وہ دونوں باتیں کرنے لگتے۔ شاب بھائی نے ہاقب کے علاوہ کبھی کسی کو اپنے کمرے میں سونے کی اجازت نہیں دی لیکن خان صاحب کافرشی بستراوہ خود لگوایا کرتے اور خان صاحب کے منتظر ہتے۔

### ایسی ہی ایک ورزث میں خان صاحب نے خواب دیکھا

آج رات یعنی ۷/۳/۲۸ اور ۷/۳/۲۸ کی در میانی رات ایک عجیب خواب دیکھا۔

یہ خواب بہت طویل اور بہت اتفصیلی تھا۔

میں نے یہ دیکھا کہ ہم ایک بڑے سارے احاطے کے ایک چوبادے میں مقیم ہیں اور گھر کا صحن خاص اکھلا ہے۔ ساتھ رہائش کی کوٹھریاں ہیں لیکن ہم زیادہ وقت گھنی ہی میں رہتے ہیں جہاں چار پائیاں وغیرہ مجھی ہیں۔ اس احاطے میں نیچے اور بہت سے لوگ ہیں اور ایک ونگ میں ایک لوہار خانہ سائھی ہے جہاں ہر وقت سان چلتے رہتے ہیں اور ان پر چھریاں اور آرے تیز ہوتے رہتے ہیں۔ یہ چھریاں مجھے اور میرے خاندان کو قتل کرنے کے لئے تیز کی جاتی ہیں۔ کچھ ہتھیار بھی بنتے ہیں۔ ٹھنٹھن کی آواز آتی ہے۔ میں اور قدیسہ اس صورت حال سے بہت پریشان ہیں اور ہماری ہوا یاں اڑی ہوئی ہیں..... ایک شام کا وقت ہے بابا جی نور والے آئے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ ”بیٹا یاں سے نکل چلو“۔ میں اور قدیسہ کہتے ہیں کہ یہ بہت مشکل ہے کیونکہ بلوائی ہم کو پکڑ لیں گے اور قتل کر دیں گے۔ بابا جی کہتے ہیں کہ کسی کے ساتھ جھگڑنے یا بحث کرنے کی ضرورت نہیں بس چپ چاپ خاموشی کے ساتھ نکل چلو۔ ڈاکٹر اشرف فاضلی صاحب بھی ساتھ ہیں کہتے ہیں ”حضور چپ چاپ جانے کی ضرورت نہیں فتح چاکر نہیں گے اور ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔“ بابا جی منع کرتے ہیں پھر ہم وہاں سے نکلتے

ہیں۔ قدیسے نے ایک چادر اوڑھ رکھی ہے اس کی گود میں ہماراچھہ اشیر ہے جس کی عمر مشکل سے سال ڈیڑھ سال کی ہے۔ دوسرے بچے شاید ہیں نہیں یادہ کمیں گئے ہوئے ہیں۔ ہم یہر چیز ارتے ہیں بابا جی آگے آگے ہیں اور ہم ان کے پیچھے..... بلا ٹائیوں کو پتہ ضرور چلتا ہے لیکن وہ دور دور مجبور سے رہ جاتے ہیں۔ ہم خاموشی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے سے سے نکل جاتے ہیں۔ رات کا وقت ہے گلیوں بازاروں میں بڑا ہجوم ہے جیسے کوئی عید ہو اور لوگ ایک دوسرے سے گلے ملنے، رگڑ لگاتے سمندر کی لمبیوں کی طرح چل رہے ہیں۔ ہم بھی ان میں روائیں ہیں پھر بابا جی سے ہمارا ساتھ چھوٹ جاتا ہے۔ ہم کو ایک خاص مقام پر پہنچتا ہے شاید مسجد وزیر خان تک یا سنری مسجد تک لیکن ہمیں اس کارستہ نہیں ملتا..... پھر ہم سورا یوں کے ایک تانگے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اس میں ایک خوبصورت بڑی سی عمر کی بر قدم پوش خاتون ہے۔ سفید رنگت ہمرا بھرا جسم اس نے نقاب الٹ رکھا ہے اور قدیسے سے باتیں کر رہی ہے۔ قدیسے کہتی ہے ”بس تھی ہم کو اپنی منزل تک جانا ہے لیکن راستہ نہیں ملتا“۔ وہ منزل کے اوپر لکھر دینا شروع کر دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ یوں جاؤ یوں جاؤ۔ لیکن ہماری مدد نہیں کرتی۔ بس قال ہی قال ہے۔ میں قدیسے سے کہتا ہوں قدیسے ذرا اس بچے کو سنبھال کر رکھو یہ بچہ نہیں نور ایمان ہے۔ اس کی حفاظت لازمی ہے۔ وہ کہتی ہے ”میں نے اس کوینے سے چمنا رکھا ہے آپ فکر نہ کریں“۔ پھر ہم تانگے سے ارتے ہیں۔ آدمیوں کا سمندر بدستور مل کھرا ہا ہے۔ ہم ہر ایک سے راستہ پوچھتے ہیں لیکن ہر کوئی لکھر سادے کر چلا جاتا ہے۔ پھر ہم دونوں آگے چل دیتے ہیں چھوٹی چھوٹی تک گلیاں جیسے قصور شر کی ہیں ان میں سے گزرتے ہیں۔ گلیاں مڑتی جاتی ہیں بل کھائے جاتی ہیں لیکن راستہ نہیں ملتا۔ ہم ٹوٹی ہوئی دیواروں کے موکھوں میں سے بھی گزرتے ہیں گول Tunnels میں سے بھی گزرتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا چوک آ جاتا ہے۔ ہم آگے بڑھتے ہیں تو ایک دیوار پھسل کر سامنے آ جاتی ہے دوسری طرف جاتے ہیں تو ایک اور دیوار آگے بڑھ آتی ہے۔ ہم اپنے سے زیادہ اس بچے کو منزل کی طرف لے جانے میں کوشش ہیں..... پھر میں گھبرا کر جاگ اٹھا خوف اور ڈر سے میرا بدن کانپ رہا تھا۔ میں نے دیکھا درت میرے قریب پنگ پر گھوک سویا ہوا تھا اس کی ساتھ والی چارپائی پر ماقب تھا۔ میں اپنے بستر پر بیٹھا رہا اور سونپنے لگا کہ اگر میں نے پھر سونے کی کوشش کی تو یہ خواب پھر شروع ہو جائے گا۔ پھر میں نے کماں خواب کو لکھ لوس صبح بھول جائیگا۔ لیکن اس وقت تھی جلانی نہیں چاہتا تھا۔ ناچار سو گیا۔ پھر وہ خواب نہیں آیا۔ صحیح اٹھ کر یہ خواب نوٹ کیا۔

یہ خواب میں نے اس لئے یہاں لکھا ہے کہ ایسے ہی خواب و قفول کے بعد مجھے بھی آیا کرتے

تھے۔

مجھے آج تک سمجھ نہیں آسکی کہ ہم دونوں کو ایسے خواب کیوں اور کیسے آتے رہے ہیں جن میں ہم پر پچ راستوں پر ہیں اور رہنمائی کے بغیر نکل نہیں سکتے۔ اتنی سمجھ آگئی ہے کہ واقعی ہم غلط راستوں پر جانکلے پر یہ ابھی تک سمجھ نہیں آسکی کہ شاہراہ کیسے ملے گی؟ اور کیوں ملے گی؟ بابے کیسے کھنپنے پائیں گے جبکہ دلدل سے نکلنے کو ہمارا اپنا دل نہیں چاہتا۔

جس سال بھٹو ارش تخت و تاج ہوا اور پاکستان کی عنان سنبھالی اس سال کے شروع میں مجھے دو خواب نظر آئے جو دونوں میں نے مفتی جی کو لکھ دیے اُک خواب تو بھٹو کے انعام سے متعلق تھا۔ اور دوسرا یوگی کی خوش قسمتی کے بارے میں تھا..... میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک پہاڑی علاقہ میں ایک کشادہ سرک ہے جس پر کار چل رہی ہے اور اس کار میں شاہ بھائی میں اور خان صاحب سوار ہیں۔ لیکن کار جس قدر آگے جاتی اسی قدر پیچھے بھی دھملی جاتی ہے۔ پھر شاہ بھائی بولے.....

”لا اشفاق میں ڈرایو کروں ..... تک تو میں ہی ڈرایو کروں گا آگے تم لے چلنا۔“

کچھ دیر کار چلتی رہتی ہے پھر ایک ایسے مقام پر جہاں شیب میں ایک خوبصورت گاؤں اور پشت کی جانب ایک آبشار ہے کار رک جاتی ہے۔ پتے نہیں کیوں خان صاحب ”شاہ بھائی“ اور میں کار سے اتر آئے۔ اب گاؤں کی طرف سے تین ماڈرن تعلیم یافتہ نوجوان آگئے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پھل اور آٹو گراف تھے اور وہ بڑھتے چلے آتے تھے۔ خان صاحب ان لوگوں کے خفڑا ہے لیکن شاہ بھائی بولے ..... ”اس آبشار کو دیکھو اشفاق! اس کا پانی چادر کی طرح گر رہا ہے اور شیشے کی طرح شفاف ہے۔ اس پر چل کر اوپر جانا ہو گا۔ یہی وقت ہے۔ یہی گھری ہے..... ایسی چڑھائی اگر اس مقررہ وقت پر نہ کی جائے تو پھر ممکن نہیں ہوتی.....“

اُخنے میں ہاتھوں میں پھل اور آٹو گراف نہیں لئے نوجوانوں کی وہ ٹولی وہاں تک آگئی جہاں سرک کے کنارے لو ہے کی زنجیروں کی باڑ ہے..... یہ نوجوان دستی نہ تھے بلکہ بس، تراش خراش اور گفتگو سے پڑھے لکھئے، دولت مند اور نازک مزاج لگتے تھے۔ خان صاحب آٹو گراف دیئے، باتیں کرنے اور پھل کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کچھ لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ نظر آیا شاہ بھائی آبشار پر اوپر کی طرف چڑھ رہے ہیں۔ آبشار، جو شیشے کی طرح شفاف ہے، نیچے کی جانب بہ رہی ہے..... ان کی پشت آبشار کی طرف ہے اور بڑے اطمینان سے اوپر کی طرف چلتے جا رہے ہیں۔

انہیں جاتا دیکھ کر مجھے کچھ اتنی گھبراہٹ ہوئی کہ میں نے خان صاحب کو گھیا اور ہم دونوں بھائیم بھاگ آبشار تک پہنچے..... شاہ بھائی والپس لوٹے اور بولے.....

«اشفاق وقت بستہ ہی نگہ ہے آؤ چلیں»

«لیکن شاب بھائی ہم تو پانی پر چلانا نہیں جانتے.....» میں نے کہا

«پانی پر چلانا نہیں پڑتا..... جتنی تیزی سے یہ نیچے گرتا ہے اسی رفتار سے آپ کو اپر دھکیلتا ہے»

«جانے دے قدرت..... ہمارے پاس کارہے ہم پہنچ جائیں گے»

شاب بھائی مسکرائے اور دونوں ہاتھ بجا جت سے آگے بڑھا کر بولے ..... «تم دونوں کو کچھ کرنا نہیں پڑے گا بس مضبوطی سے میرے ہاتھ پکڑ لو ..... پانی ہمیں خود بخواہ اوپر پہنچا دے گا۔»

ہم دونوں نے ان کا ایک ایک ہاتھ بڑی مضبوط گرفت سے پکڑ لیا اور پھر محسوس ہوا جیسے نبٹن کا اصول کار فرمائے جس تیزی سے آبشار گر رہی تھی اسی سرعت سے درمیان میں شاب بھائی دامیں بائیں خال اور میں آبشار پر اٹھتے جا رہے تھے ..... بخوف اور خوشی مجھے اس روز خواب میں محسوس ہوئی وہ ابھی تک میرے ساتھ ہے ..... پہنچنیں شاب بھائی کو خان کی کون سی ادا پسند ہے ..... ؟

شاید وہ جانتے تھے کہ اتنی افسرانہ شان والا فقیر ہے؟

شاید وہ سمجھتے ہوں کہ فقیری کے دروازے پر دستک دینے والا بھی دروازہ کھلنے کا تھمل نہیں؟

ہو سکتا ہے شاب بھائی یہ بھی جانتے ہوں کہ شہرت یافتہ خان کو گمانی زیادہ پسند ہے؟

شاید کوئی بھی وجہ نہ ہو لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ لمحڑے ہوئے خان صاحب کو دھوکر صاف کر کے چھوڑنا چاہتے تھے .....

بڑی دیر کی بات ہے ۔۔۔۔۔

ایک روز صبح کے وقت خان صاحب اور میں سیر پر گئے ..... سرویوں کا موسم تھا اور ماڈل ٹاؤن کی سڑکوں پر کمرے کے آثار تھے۔ خان نے گرم کمبل کا پنڈلوں تک لمبا براؤن چیک کا ذریںگ کاؤن پہن رکھا تھا۔ اچانک کسی جھاڑی میں سے ایک چھوٹا سا گلد گدا، موٹی گرد، بادامی بال اور معصوم آنکھوں والا پلا نکل آیا اور خان صاحب کے سلیپر دن کو آ کر سو گئے۔ خان دیہات سے آئے ہیں۔ وہ فطری طور پر فصلوں، درختوں، لمبے راستوں، اپنی آوازوں، جانوروں اور پرندوں سے وابستہ ہیں۔ پلے کو محبت پر آماڈہ دیکھ کر وہ جھکے اور چند منٹ اس کے ساتھ کھیلتے رہے پھر ہم آگے نکل گئے۔ جب ہم اپنی سیر سے لوٹے تو وہ پا بھیگی آنکھوں سمیت ابھی سرک کنارے کھڑا تھا۔

خان نے اس کے سر پر پیار دیا اور ہم دونوں آگے آگے چل دیے لیکن کچھ دیر بعد ہمیں احساس ہوا کہ پیچھے کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ پلٹ کر دیکھا تو وہی پلا تھا۔ میں نے اسے دھنکارا کر کہ سن: بال جالا نہ بن جائے لیکن خان صاحب چپ چاپ چلتے رہے ..... پلٹ پلٹ کر میں دیکھت تھا جس ہاتھ خال ہوتے پانچ پچھے قدم عین ان کے پیچھے پا بھی چلانظر آتا۔ کچھ راستہ چلنے کے بعد وہ ہم سے

چھڑ گیا..... لیکن خوشبو سوگھتا بھر مارا خان صاحب چونکہ بنیادی طور پر کسان ہیں اور فطرت کے قریب ہیں اس نے وہ رکے، پلے کا انتظار کیا اور جب وہ بالکل قریب آگیا تو اسے گود میں اٹھا کر براؤن چیک و اے ڈرینگ گاؤن کے اندر سردی سے چھپا لیا۔

گھر پہنچتے ہی خان نے نعرہ لگایا..... "ابھی راتب پکاڑ اور یوگی کو کھلاو۔....." پلے کا نام یوگی پڑ گیا۔ اس کے لئے گوشت منگا کر ابالا گیا۔ گھر میں ایک نئے فرد کے اضافے سے رونق بڑھ گئی۔ میں یوگی کو اٹھا کر گھر کے پچھواڑے لے گئی۔ جب اس نے ندیدے پنج کی طرح فل سائز بل ڈاگ جتنا راتب کھالیا تو میں نے اسے خوب نمایا وہ اس درجہ غلیظ تھا کہ اس کے جسم سے چھڑا ترا تر کر صابن کی جھاگ کے ساتھ بہ رہے تھے۔ خوب نلانے اور برش کرنے کے بعد وہ چھوٹے سے قالین کے مکڑے پر لیٹ کر سورہا۔ یوگی کے بال جوں جوں دھوپ میں خشک ہوتے گئے ہی وہ داؤ دخانی گندم کے شوون جیسا رنگ اختیار کرتے گئے..... اس کی آنکھیں سیاہ اور کان چھوٹے ہاتھوں کی طرح چہرے کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ وہ معصومیت کی تصوری تھا۔

دوپر کے وقت پچے سکول سے لوئے۔ سب کو فکر تھی کہ کمیں یوگی فرار نہ ہو جائے۔ کوئی سنگلی کا سوچ رہا تھا کوئی گول پنے کا۔ کسی کا خیال تھا کہ یوگی کو اندر بند رہنا چاہئے اور جب تک وہ سب سے مانوس نہیں ہو جاتا کھلا چھوڑنا مناسب نہیں۔ میرا مخالف بینا انسیں خان جانوروں سے بہت پیار کرتا ہے..... شاب بھائی اسے صوفی کما کرتے تھے۔ صوفی کے علاوہ گھر میں رہنے والا ایک سواتی لڑکا شمار بھی گھر آتے ہی یوگی کا عاشق ہو گیا..... انسیں چونکہ دل کا زرم ہے اور کسی پر تشدد کرنا پسند نہیں کرتا اس نے وہ سکیمیں بناؤ کر رہ گیا لیکن شمار نے یوگی کے گلے میں رسی باندھی اور اسے محبت کے ساتھ پھانک کے ساتھ باندھ دیا.....

صحنہ جانے کیسے یوگی نے رسی تزویٰ اور گیٹ سے فرار ہو گیا۔

شاید وہ ایک بل ڈاگ جتنا راتب کھانے آیا تھا۔ شاید وہ ڈرائی کلین ہونا چاہتا تھا؟ شاید وہ یہ تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ اپنے پیاروں کے ہاتھ سے رسی گلے میں ڈلو اکروں پر کیا بیت جاتی ہے؟ بھر کیف اشراق احمد بھی بالکل ویسے ہی یوگی تھے جسے شاب بھائی نے اٹھا کر اپنے میراون ڈرینگ گاؤن میں چھپا لیا۔ انسیں معلوم تھا کہ اس کے تن پر بڑے چھپنیں جو اس کا لودن رات پیتے ہیں۔ " جانتے تھے کہ اس خوبصورت پلے کے بال سمری" کان معصوم اور روح بہت ہی بھوپی ہے۔ اسی نئے شاب بھائی نے غلطیت کی پروانہ کی..... چھپنیں کو در خور اعتنانہ سمجھا اور اپنی بالک میں خان کو پناہ دی۔ اس کے بعد جگی خان سے دابستہ تھا، شباب بھائی کی تربیت تھی پچاہے باز، چاہے خان کے پیچے، ان کے پھوٹ کے دوست، بیوی کی سیلیاں، خان کے دوست، ملازم..... جو بھی یوگی کا چھپر تھا

شہاب بھائی کا بوجھ تھا اور وہ خوشی سے اسے اٹھاتے تھے جیسے سند رپنے  
پینے پر بجے، جہاز، کشیاں لئے پہرتا ہے۔

جس روز شہاب بھائی کا وصال ہوا اور ہم صحیح اسلام آباد پہنچے، خال پہلی مرتبہ تو کسی راز کے  
انشا ہونے سے ڈرے نہ ہی انہیں خوف آیا کہ لوگ کیا کہیں گے؟ وہ اپنی اپنی رو رہے تھے اس باریوں  
گیٹ سے نکل کر نہ گیا تھا بلکہ لال گاؤں والے اپنا ستپوش لبادہ اتار کر رکھ دیا تھا اور بیچارہ یوگی نہیں  
جانتا تھا کہ اب وہ سروی سے بچنے کے لئے کس کا ذریں گک گاؤں ملاش کر سکتا ہے؟..... یکدم دنیا اس  
کے لئے بہت غیر محفوظ جگہ ہو گئی تھی..... ڈریں گک گاؤں چھپ گیا تھا اور ہر طرف چھڑی چھڑتھے..... جو  
اس کا بلوچوتے تھے..... دن رات..... دن رات..... ذیماں ذیماں..... گلے ہی گلے..... اعتراض ہی  
اعتراض..... ہر طرف کانٹوں کے تاج۔

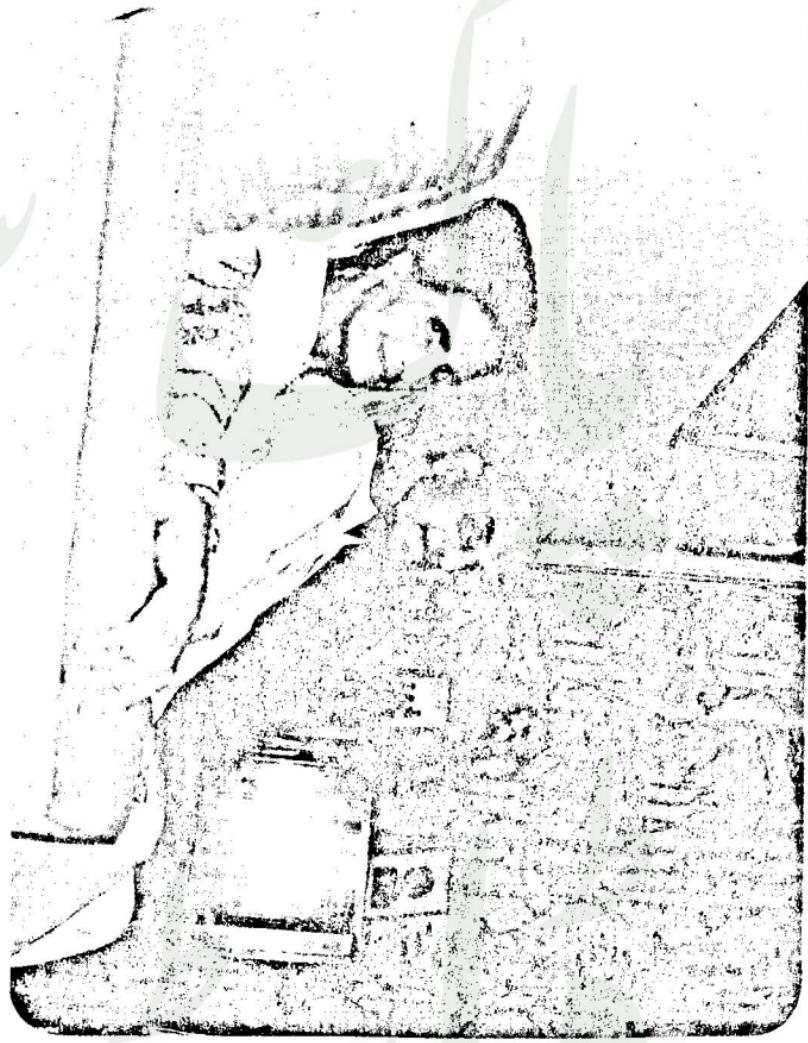
عفت کے جانے کے بعد شہاب بھائی و ان پرست آشرم میں داخل ہو گئے۔

ہندو دھرم اور فلاسفی کے مطابق انسان کو اپنی زندگی کا طویل و قند چار حصوں میں تقسیم کر کے  
گزارنا چاہئے۔ پسلا حصہ بچپن، لڑکپن اور نوبوغت کا ہے جب وہ بڑھتا ہے اپنے بڑوں کے چہرے،  
اغوال اور خصائیں دیکھتا ہے..... یہ کھانے پینے، بڑھنے، سیکھنے کے دن ہیں اس میں فطرت آزاد اور  
ذمہ داری کم سے کم ہوتی ہے۔ آدی اپنی معصومیت کی کشتی میں سفر کرتا ہے۔ بالغ ہونے پر انسان پر  
گرہست کا بوجھ پڑتا ہے اور وہ بال پرست آشرم سے قدم اٹھا کر گرہست آشرم میں داخل ہو جاتا  
ہے..... میں سے پنٹا لیس تک کایہ و قند اولاد اور بیوی کی پروردش، روزی کمانے کے جتن، اپنی  
شخصیت کو بنانے کے دن، دوستی، مودہ، ما یا میں پہنچنے کا وقہ ہے۔ جوئی اولاد گرہست میں داخل ہو  
جائے ادھ بڈھے کوچاہئے کہ وہ ہولے ہولے گھر کی کنجی چاپی بسو کے حوالے اور دو کان، کارخانے کی  
ذمہ داری بیٹھے کے ذمے لگائے۔ فاصلے سے دیکھتا ہے کہ کارخانہ کیسے چل رہا ہے دا ڈیچ سکھاتا ہے  
تجربہ بتاتا جائے پرنہ گھر پر بہو کو نوکے نہ دو کان پر بیٹھے کو..... اور جب کچھ عرصہ بعد وہ نصیحت ہو  
جائے کہ اس کے بغیر بھی دنیا چل رہی ہے اور چلتی رہے گی تو ایک روز آرام سے سرمنڈوائے، ہاتھ میں  
گڑوی لئے، لمبا جیون باندھے اور جپ تپ کر تادوار کا سدھارے..... پھر نہ دنیا سے علاقہ رکھنے نہ لوگوں  
سے۔ گنگاشان کرتا کرتا..... بھگوان کا نام لیتا ایسا ہورہے.....

کبیرا ایسے ہو رہو جیسے زمل نیر

پیچھے پیچھے ہر پھرے کمہت کبیر کبیر

گوشہاب بھائی پیدا کئی زمل نیر تھے لیکن و ان پرست آشرم میں پیچھے کر سارے جوئے یکسر اتار کر ان میں  
ایک شان استثنی بھی پیدا ہو گئی تھی..... وہ ڈلک زمل نیر کی مارتے تھے لیکن اسلام کے معاملے میں ہیرے



کی طرح خخت جان بھی تھے..... وہ فاصلے سے ٹاقب کی دکیہ رکیجہ، تربیت اور سلجماد دکیہ رہے تھے۔ لیکن گھر، گھاٹ، دھوپی اور کتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے وہ تمام بوجھا اتار دیئے جو گرہست کی بنیادی ضرورت ہیں.....

ند ان کا کوئی گھر تھا نہ گھروالی

ند ان کے کوئی ملازم تھے..... نہ خدمت گزاریاں

بجلی کا میل سوئی گیس..... پلپبر، گز کھونے والا، خانسامہ، مالی، ..... سب سے وہ آزاد تھے۔ وہ شانتی سے اپنی بہن کے گھر میں رہتے جو ملتا کھاتے..... ہر سال کوئی نہ کوئی مرغوب غذا، کوئی پیارا دوست، کوئی جان لیوار ابط ختم گردیتے..... بازار صرف پھل خریدنے جاتے باقی خریدو فروخت انہوں نے دوسروں پر چھوڑ دی تھی..... پہلے کار خود چلاتے تھے پھر کار چلا تو کتے تھے لیکن ٹاقب یا کسی دوسرے بچے کے دست نگر ہونے میں لذت محسوس کرتے اس طرح ماما تابدھ Begging bowl کا بغیر کسی اعلان یا کسی شو آف کے ان کے ہاتھ میں آگیا۔

جب انشائی زندہ تھے اور عفت کو گئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ تو ہم لوگ اندر اندر یہ کچھ ہری پکھا کرتے کہ شاپ بھائی کو دوسری شادی کریں چاہیے۔ ان کے لیے ہم لوگ کچھ رشتہ بھی تجویز کیا کرتے۔ اگر ہمارا بس چلتا تو ہم شاپ بھائی کو گرہست آشرم سے نکلتے ہی دوبارہ زنجیس پا کرتے۔ ایک روز انشائی نے خان کی ڈیوٹی لگائی کہ آدمی رات کو جب پرائیورٹ گنتگلو کا شن شروع ہو تم شاپ بھائی کی خانہ آبادی کا سلسلہ جوڑو۔

شاپ بھائی بیش کی طرح خال صاحب کی کلیشے بھری تجویزات سنتے رہے اور بڑی دری بعد بولے ”اشفاق تم میرا مطلب غلط نہ سمجھنا۔ عفت کے ساتھ جو خون گلگوار وقت گزارا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ میں شادی کر لوں اور وہ بھی کسی لیڈی ڈاکٹر سے..... لیکن اب جی نہیں چاہتا..... جب ایک بار بیٹی کٹ جائے تو دوبارہ قید ہونے کا مقصد؟ دائرہ ختم کر کے دوبارہ دائرے کا سفر کیوں؟ اشفاق..... سنو

اک دن رہیں بست میں

اک دن جنیں بھار میں

اک دن بھریں بے انت میں

اک دن چلیں خمار میں

دو دن رکیں گرہست میں

اک دن کسی دیار میں

دو دن گرہست ہیں رکنے کے بعد شاپ بھائی مستقل طور پر اپنی بہن محمودہ کے دیار میں رہتے۔



لگے یاں ثاقب کو بیٹھے بٹھائے ایک بڑی بہن گذی، اور دو بھائی بلوا اور پل مل گئے..... امین صاحب جیسے پھوپھا لے جو ثاقب کو اپنے بچوں کے ساتھ پاکٹ منی دیتے تھے..... اور محمودہ جیسی ماں ملی جواز سے پرورش کے دکھ بھوگتی آئی تھی۔

محمودہ جی اور شاب بھائی سنگے بہن بھائی تھے لیکن ایک بنیادی فرق ہے ..... شاب بھائی نے اپنے تمام فیصلے اللہ پر چھوڑ دیئے تھے وہ متکل، مجرما در محبت کی تصویر تھے اور محمودہ جی بچوں کو خدا کے سپرد کرنے کی اہل نہ پسلے کبھی تھیں نہ اب ہیں..... یہ نہیں کہ وہ کم عبادات گزار، متکل صورت، اور متقی ہیں۔ بلکہ باریک سافرق یہ ہے کہ یہ خاتون بھی تمام عورتوں کی طرح بچوں کی وجہ سے عارف دنیا ہے وہ دنیا سے اس لئے نہیں موڑ سکتی کہ بچے دنیا کے بغیر پہنچنے نہیں وہ تمام معاملات اللہ پر اس لئے نہیں چھوڑ سکتی کہ اسے اندریشہ ہے کہ اللہ کمیں بھول نہ گیا ہو..... ہو سکتا ہے اسے کچھ اور ضروری کام ہوں۔ ہو سکتا ہے اس کی مشیت، ہی کچھ اور ہو..... چونکہ محمودہ جی کا دل گواہی نہیں دیتا کہ اللہ عورت جیسا پانہار ہو سکتا ہے۔؟ شاید وہ یہ بھی سوچتی ہیں کہ اللہ لا کھ شفیق سی لیکن وہ ان چار بچوں کی ماں تھوڑی ہے کہ میری طرح سوچے؟ جس قدر شاب بھائی فکر سے آزاد تھے محمودہ جی اتنا ہی زیادہ وسوسے، اندریشہ، ان ہونبیوں، بد گمانیوں کے لمحے ہوئے دھاگوں کو سلیمانی رہتی ہیں۔

بچہ امتحان کی تیاری کرے ..... محمودہ جی نفل پڑھتی ہیں

بچہ رزلت کا منتظر ہو ..... تو بھی محمودہ جی جائے نماز پر ہوتی ہیں۔

ان چاروں میں سے کوئی لیٹ ہو جائے ..... محمودہ جی نفل مانتے دیر نہیں لگتی۔

ان بچوں کو کوئی پریشانی ہو تو بھی محمودہ جی کے لئے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ بڑے صاحب سے ہاث لائیں پر اتنا کریں ..... محمودہ جی اللہ کے گھر کی نظری ہے جو ان چاروں کے لئے مانگ مانگ کر ڈگریاں، رزق، بسوئیں، جوانی، گھر، صحیتیں، ترقیاں لاتی ہیں..... ان کی خواہیں بڑے گھر سے پوری ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن انہیں اطمینان نہیں ہوتا اور ہر یار جب وہ نئی ریکوٹ لے کر جاتی، میں اندر ہی اندر خوفزدہ رہتی ہیں کہ کہیں اس بار میری خواہش روشن ہو جائے کہیں اس بار اللہ درخواست پر کالی نہ ڈال دے ..... بچوں کی اس خیر خواہ کو کبھی یقین نہیں آیا کہ شاید بچوں کے معاملے میں اللہ بہتر سوچتا ہو..... وہ باتی تمام معاملوں میں اللہ کو آخری احتارفی مانتی ہیں۔ لیکن ثاقب، گذی، بلوا اور پل کا جب بھی کوئی معاملہ ہو وہ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ان سے بھی زیادہ اللہ ان چاروں کا خیر خواہ ہو سکتا ہے۔

محمودہ جی کا وقت بڑی روئین کے ساتھ جائے نماز، غسل خانے اور باورچی خانے میں کتنا ہے۔

نہ سار پر وہ مانگنے میں مصروف رہتی ہیں۔ پھر جب انہیں یقین نہیں آتا کہ خداستا اور مانتا ہے تو انہیں نہیں، ایکریا ہو جاتا ہے اور وہ غسل خانے کا رخ کرتی ہیں۔ اس درجہ فکر مند اور اندر سے گھبرائی رہتی

